حکمتِ مصائب

ملک عطا محمد

اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی نہ عیش کدہ ہے اور نہ جہنم زار، بلکہ امتحان ہے۔ یہ امتحان کبھی نعمت سے ہوتا ہے تو کبھی مصیبت سے۔ نعمت یعنی: خوشی، نفع، عزت، صحت، اولاد، دولت، حکومت، فتح اور زندگی وغیرہ، اور مصیبت یعنی: غمی، نقصان، ہلاکت، ذلت، بیماری، اولاد کا نہ ہونا، غلامی، شکست، طوفان اور زلزلہ وغیرہ۔

اس امتحان و ابتلا میں سے ہر شخص اور قوم کو گزرنا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کے لیے رعایت نہیں۔ انبیا جو خدا کے پیارے اور محبوب ہوتے ہیں، انھیں اس آزمایش سے گزرنا پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں پیدا ہوتے ہیں کہ باپ کا سایہ سر پر نہ تھا۔ چھے سال کے ہوتے ہیں والدہ ماجدہ وفات پا جاتی ہیں اور آٹھ سال کی عمر میں دادا کا سایہ اٹھ گیا۔ لڑکپن میں مکہ والوں کی بھیڑ بکریاں چرائیں۔ نبوت کا زمانہ تو نہایت مشقت و ابتلا کا دور تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں میں آزمایا گیا (البقرہ ۲:۱۲۴)، آگ میں ڈالا گیا، وطن سے نکالا گیا، بیوی اور بچے کو جنگل میں چھوڑنے کا حکم اور اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کرنے کا اشارہ ملا (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲)۔ حضرت یعقوبؑ کا بیٹا گم ہو جاتا ہے اور غم میں ان کی بینائی تک جاتی رہتی ہے (یوسف ۱۲:۸۴)۔ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں ۴۰ دن تک رہتے ہیں (الانبیا ۲۱:۸۷)، حضرت یوسفؑ کنوئیں میں ڈالے جاتے ہیں پھر بیچ دیے جاتے ہیں اور بعد میں تقریباً نو سال تک جیل میں رہتے ہیں۔ (سورہ یوسف)

یہ رب کائنات کا مستقل دستور ہے اور اس میں سے ہر ایک کو گزرنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نعمت دے کر بھی آزماتے ہیں۔ سیدنا داوٗدؑ، سلیمانؑ کو حکومت عطا کی اور وہ اس میں اپنے رب کے شکر گزار بن کر رہے۔ قومِ سبا اور دوسری قوموں کو نعمتوں سے آزمایا۔ وہ کفرانِ نعمت کر کے ہلاک و برباد ہو گئیں۔

نعمت و ابتلا میں صحیح رویہ

ایک مسلمان کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ نعمت پر شکر کیا جائے اور مصیبت پر صبر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: مومنین کے مزے ہیں کہ اللہ جو فیصلہ کرتا ہے ان کے لیے اس میں خیر ہی ہوتی ہے۔ اگر مصیبت آئے اور وہ صبر کرتے ہیں تو ان کو ثواب ملتا ہے اور اگر ان کو خوشی ملے تو شکر کرتے ہیں تو بھی ان کے لیے خیر ہوتی ہے اور یہ صرف مومنین کے لیے ہے۔ (بخاری، مسلم)

مومن نعمت پا کر آپے سے باہر نہیں ہوتا کیونکہ یہ اُس کا اپنا اکتساب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور مصیبت کو بھی وہ بڑے حوصلے سے برداشت کرتا ہے۔ مایوسی، پریشانی، شکوہ، شکایت اور خودکشی سے اجتناب کرتا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اُس کے مقدر میں ہیں (الحدید ۵۷:۲۲-۲۳)۔ فی الحقیقت عقیدہ تقدیر غم کو غلط کرنے والا ہے کہ دکھ آیا، ہلاکت و بربادی ہوئی اور زبان پر ہے: انا للّٰہ وانا الیه راجعون! بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اُسی کے پاس جانا ہے۔ ان الفاظ میں جادو ہے۔ یہ انسان کو سمجھاتے اور تسلی دیتے ہیں کہ دنیا فانی ہے صرف باپ، بیٹا، گھر اور مال نہ گیا، ہم سب نے ہی ادھر جانا ہے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ ان تمام نقصانات کی تلافی فرما دیں گے اور اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔ اس دعا کے علاوہ ہم اپنی زبان میں بھی فوری ردِعمل یوں ظاہر کرتے ہیں: ھٰذَا مکتوب (قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا)، مولا کی مرضی، ہم تیرے لکھے پر راضی ہیں۔ ان الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہی غم غلط، دکھ دُور اور اپنوں کی جدائی پر صبر کا حوصلہ ملتا ہے۔

یہ خیال رہے کہ عقیدۂ تقدیر انسان کو بے عمل نہیں بنا دیتا بلکہ انسان کو غم و نقصان کو حوصلے سے برداشت کرنے کی قوت دیتا ہے اور آیندہ کے لیے اُسے سعی و جہد پر اُبھارتا ہے۔ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اُس کا رب قادر بھی ہے اور رحمٰن و رحیم بھی جو ماں سے ۷۰ گنا رحیم ہے۔ اُس کی رحمت تو خیر ہے ہی رحمت لیکن زحمت میں بھی خیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو (النساء ۴:۱۹) جیسے حضرت یوسفؑ کی مثال کہ کنوئیں میں جانا، مصر جانے کا سبب بنا، اور مصر کے بازار میں بکنا، عزیزِ مصر کے گھر پہنچنے کا سبب بنا اور وہاں سے جیل میں ڈالنا مصر کی حکومت ملنے کا وسیلہ ثابت ہوا ہے۔

یہ صرف ایک مثال نہیں بلکہ ہر آدمی کی زندگی میں کئی ایسے لمحات آتے ہیں جنھیں وہ شر سمجھتا ہے لیکن بعد میں وہی بڑی خیر ثابت ہوتے ہیں لیکن بعض دفعہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے جیسے موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ (سورہ کہف)۔ دو باتوں کی حکمت تو آسانی سے سمجھ آتی ہے: کشتی کا تختہ نکالنے سے ملاح بادشاہ کی بیگار سے بچ گئے اور نیک آدمی کے یتیم بچوں کی دیوار بنانے سے اُن کا خزانہ محفوظ ہو گیا لیکن معصوم بچے کے مارنے کی علت عقل سے ماورا ہے کہ یہ بڑا ہو کر شریر بنے گا (الکہف ۱۸:۷۴، ۸۰-۸۱)۔ یہاں ہم مجبور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلے پر راضی رہیں۔ یہ تکوینی امور ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں جن کے تحت دنیا میں ہر آن کوئی بیمار کر ڈالا

جاتا ہےاور کوئی تندرست کیا جاتا ہے' کسی کو موت دی جاتی ہےاور کسی کو زندگی سے نوازا جاتا ہے' کسی کو تباہ کیا جاتا ہےاور کسی پر نعمتیں نازل کی جاتی ہیں۔اس کے باوجود مصائب میں بے شمار خیر کے پہلو ہوتے ہیں۔ایک مسلم کو ہمیشہ اُن پر نظر رکھنی چاہیے۔اس طرح وہ اپنے قلب وذہن کو پریشانی اور مایوسی سے پاک رکھ سکتا ہے۔وہ شر سے بھی خیر تلاش کرے تاکہ مستقبل کی منصوبہ بندی میں وہ پہلے سے زیادہ حوصلہ سے قدم رکھ سکے اور ماضی کی پریشانیاں دل سے نکال کر آیندہ کے غم سے اپنے آپ کو پاک کر کے آج کو زیادہ خوب صورت وخوش نما بنا سکے۔

چند غور طلب پہلو

مصیبت اپنے اندر محض پریشانی ہی نہیں خیر اور بہتری کا پہلو بھی رکھتی ہے۔خیر کے چند پہلو یہ ہیں:

توبہ و رجوع الی اللہ: مصیبت نہ آئے تو ہر انسان فرعون بن جائے۔فرعون ایک غوطہ کھاتے ہی مسلم بن گیا(یونس ۱۰: ۹۰)۔وہ تو مہلت عمل ختم کر بیٹھا تھا لیکن عام آدمی کے پاس ابھی وقت ہوتا ہے اور وہ مشکلات ومصائب کے بعد اللہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور توبہ بھی۔مصیبت سے دل نرم ہوتا ہے' اسباب سے نظر اٹھتی ہے اور مسبب الاسباب کے حضور ہاتھ اٹھ جاتے ہیں(الانعام ۶: ۴۲)۔اس طرح اپنے رب سے دوبارہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔اگر مصیبت کا اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تو یہی فائدہ ہی بڑا نفع آور تھا۔(الاعراف ۷: ۱۶۸)

گناہ کا کفارہ: مصائب مومن کی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو رنج اور دکھ اور فکر اور غم اور تکلیف اور پریشانی بھی پیش آتی ہے' حتیٰ کہ ایک کانٹا بھی اگر اس کو چبھتا ہے تو اللہ اس کی کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنا دیتا ہے۔(بخاری ، مسلم)

امتحان: مصائب وابتلا سے آدمی کو پرکھا جاتا ہے' کھرا ہے یا کھوٹا' سچا ہے یا جھوٹا' وفادار ہے یا بے وفا' مطیع ہے یا نافرمان۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''پھر تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے' جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اُس وقت اُن کو تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے''۔(البقرہ ۲: ۲۱۴'۱۵۵-۱۵۷)

تربیت: تربیت کے لیے مصائب کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے:''اور ہم ضرور تمھیں خوف وخطر' فاقہ کشی' جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمایش کریں گے۔ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے''۔ اُنھیں خوش خبری دے دو۔ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی' اُس کی رحمت اُن پر سایہ

کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں‘‘ (البقرہ ۲:۱۵۵-۱۵۷)۔ ’’تربیت کے لیے انسان کو مصائب کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔ خوف و خطر میں مبتلا کر کے اللہ طالب صادق کے عزمِ صمیم کا امتحان کرتے ہیں۔ یہ آزمایشیں اس لیے ضروری ہیں کہ اہلِ ایمان اسلامی نظریۂ حیات کی ذمہ داریاں اچھی طرح پوری کرنے کے قابل ہو سکیں اور اسلامی نظریۂ حیات کی راہ میں جتنا جتنا مصائب سے دوچار ہوں اسی طرح نظریۂ حیات انھیں عزیز ہوتا چلا جائے‘‘۔ (فی ظلال القرآن ‘ ج ۱‘ ص ۲۱۶)

ترقی درجات : وہ مصائب جو اللہ کی راہ میں اُس کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کوئی مومن برداشت کرتا ہے وہ محض کوتاہیوں کا کفارہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے ہاں ترقی درجات کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ ’’یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا۔ تو اس نے کہا: ’’میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں‘‘۔ ابراہیم نے عرض کیا: ’’اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟‘‘ اس نے جواب دیا: ’’میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے‘‘۔ (البقرہ ۲:۱۲۴)

گناہوں کی سزا: جرائم اور گناہ کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی لیکن بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو اسی دنیا میں اُس سزا کا کچھ مزہ چکھاتے ہیں: ’’اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے‘‘۔ (النساء ۴:۷۹‘ الزمر ۳۹:۵۱‘ الشوریٰ ۴۲:۳۰)

تنبیہات و سرزنش: ’’اُس بڑے عذاب سے پہلے ہم اسی دنیا میں (کسی نہ کسی چھوٹے) عذاب کا مزا اُنھیں چکھاتے رہیں گے‘ شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روش سے) باز آجائیں‘‘ (السجدہ ۳۲:۲۱)۔ مولانا مودودیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ’عذاب اکبر‘ سے مراد آخرت کا عذاب ہے جو کفر و فسق کی پاداش میں دیا جائے گا۔ اس کے مقابلے میں ’’عذابِ ادنیٰ‘‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد وہ تکلیفیں ہیں جو اسی دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں‘ مثلاً افراد کی زندگی میں سخت بیماریاں‘ اپنے عزیز ترین لوگوں کی موت‘ المناک حادثے‘ نقصانات‘ ناکامیاں وغیرہ۔ اور اجتماعی زندگی میں طوفان‘ زلزلے‘ سیلاب‘ وبائیں‘ قحط‘ فسادات‘ لڑائیاں اور دوسری بہت سی بلائیں جو ہزاروں‘ لاکھوں‘ کروڑوں انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ ان آفات کے نازل کرنے کی مصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ عذاب اکبر میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی لوگ ہوش میں آجائیں اور اُس طرزِ فکر و عمل کو چھوڑ دیں جس کی پاداش میں آخرکار انھیں وہ بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا‘‘۔ (تفہیم القرآن ‘ ج ۴‘ ص ۴۷)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ان تنبیہات کی بعض لوگ غلط تاویلات کر کے ان کے اسباق کو ضائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: ''جو لوگ جہالت میں مبتلا ہیں انھوں نے نہ پہلے کبھی ان واقعات سے سبق لیا ہے نہ آیندہ کبھی لیں گے۔ وہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث کے معنی ہی نہیں سمجھتے' اس لیے ان کی ہر وہ تاویل کرتے ہیں جو حقیقت کے فہم سے ان کو اور زیادہ دُور لے جانے والی ہو' اور کسی ایسی تاویل کی طرف اُن کا ذہن کبھی مائل نہیں ہوتا جس سے اپنی دہریت یا اپنے شرک کی غلطی ان پر واضح ہو جائے''۔(تفہیم القرآن' ج ۵' ص ۱۸۴)

یہی بات ہے جو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی: ''منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اچھا ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اُس اُونٹ کی سی ہوتی ہے جسے اس کے مالکوں نے باندھا تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں باندھا ہے اور جب کھول دیا تو وہ کچھ نہ سمجھا کیوں کھول دیا''۔(ابوداؤد)

الحمدللہ! ہم نے ۸ اکتوبر کے زلزلے کو بحیثیت مجموعی تنبیہہ ہی کے طور پر لیا ہے۔ پوری قوم اللہ کے حضور دعا کے لیے نکل آئی' جہاں وہ اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ رہی تھی وہاں زلزلے کے متاثرین کے لیے اپنے رب کے حضور دعا گو تھی۔ بے شک یہ زلزلہ پاکستان کی تاریخ کا عظیم ترین سانحہ تھا۔ یہ ہمارے لیے قیامت سے پہلے ایک قیامت صغریٰ تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو پالیا۔ ہم سب کا درد ایک ہے' غم ایک ہے' نفع ونقصان بھی ایک ہے۔ ہم سب ایک اللہ کے بندے اور ایک رسول کی اُمت ہیں لیکن یہ اُسی صورت میں مفید ہوگا جب ہم اس کو تسلسل دے سکیں۔ خدشہ ہے کہ ماضی کے اسی طرح کے بے شمار لمحات کی طرح یہ لمحہ بھی کہیں گزر نہ جائے اور ہم ویسے کے ویسے ہی رہ جائیں۔ ہمیں اس گھڑی سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے' اور وہ ہے تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط (التحریم ۶۶:۸)

خدا کرے کہ یہ حادثہ ہمارے لیے حرکت' محبت' اخوت' مساوات' ہمدردی' ایثار' امانت' دیانت' صداقت' محنت اور بندگی رب کا ذریعہ اور وفائے محمدؐ کا وسیلہ بن جائے!